# فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۶۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

**سوال**: کیا جمعہ کے دن سورت کہف پڑھنے کی فضیلت ثابت ہے؟

**جواب**: جمعہ کے دن سورت کہف پڑھنے کی فضیلت ثابت نہیں۔ اس بارے میں حدیث ضعیف ہے۔

❀ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّورِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ .

''جس نے جمعہ کے دن سورت کہف کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان نور روشن فرما دیتا ہے۔''

(المستدرك للحاكم : 368/2)

❀ سنن دارمی (۳۴۵۰) میں یہی روایت موقوف آئی ہے۔

سند ضعیف ہے۔ ہشیم بن بشیر واسطی نے یہ حدیث ابو ہاشم رمانی سے نہیں سنی۔

❀ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَسْمَعْهُ هُشَيْمٌ مِنْ أَبِي هَاشِمٍ .

''یہ روایت ہشیم نے ابو ہاشم سے نہیں سنی۔''

(العِلَل ومعرفة الرجال برواية عبد الله : 251/2)

جس سند میں ہشیم کے ''حدثنا'' کہنے کا ذکر ہے، وہ کسی راوی کا وہم ہے یا ہشیم نے خود ایسا کہا ہے، مگر انہوں نے یہ حدیث ابو ہاشم سے نہیں سنی، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، ہشیم ان روایات میں بھی ''حدثنا'' کہہ دیتے تھے، جو انہوں نے اپنے شیوخ سے نہیں سنی ہوتی تھیں، جس کا اقرار وہ خود بھی کرتے ہیں، ملاحظہ ہو۔

❀ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ هُشَيْمًا يُحَدِّثُ يَوْمًا فَقَالَ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّهٗ لَمْ يَسْمَعْهُ مِنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ ...... .

''میں نے ہشیم کو سنا وہ ایک دن حدیث بیان کر رہے تھے: حدثنا علی بن زید، پھر فرمانے لگے کہ میں نے یہ حدیث علی بن زید سے نہیں سنی......۔''

(تاريخ ابن معين برواية الدوري:4921)

❀ امام ابن معین رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

أَخْطَأَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ يَوْمًا فَقَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ : حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ وَلَمْ يَكُنْ هُشَيْمٌ سَمِعَهٗ مِنْ مَنْصُورٍ .

''ایک دن عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ نے (حدیث بیان کرنے میں) خطا کی، کہنے لگے: حدثنا ہشیم قال: حدثنا منصور۔ جبکہ ہشیم نے اس روایت میں منصور سے سماع نہیں کیا۔''

(تاريخ ابن معين برواية الدوري: 3620)

معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن سورت کہف پڑھنے کے بارے میں حدیث ثابت نہیں، کیونکہ ہشیم بن بشیر نے اس روایت میں ابو ہاشم رمانی سے سماع نہیں کیا، جیسا کہ امام

احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور جہاں ''حدثنا'' ہے، وہ سماع کی صراحت نہیں۔

**سوال**: کیا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے؟

**جواب**: لیلۃ الجن کو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یا کوئی صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔

❁ علقمہ بن قیس نخعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

أَنَا سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ فَقُلْتُ : هَلْ شَهِدَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ؟ قَالَ : لَا .

''میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا لیلۃ الجن کو آپ میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟، فرمایا: نہیں۔''

(صحیح مسلم : 450)

❁ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

لَمْ أَكُنْ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ مَعَهٗ .

''میں (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) لیلۃ الجن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھا، کاش کہ ساتھ ہوتا!''

(صحیح مسلم : 450)

**تنبیہ:**

❁ روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

(سنن أبي داود : 84، سنن التّرمذي : 88، سنن ابن ماجه : 384)

سند ضعیف ہے۔ابوزید ''مجہول'' ہے۔

❁ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَجْهُولٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ .

''محدثین کے ہاں ''مجہول'' ہے۔''

❁ امام ابوحاتم اور امام ابوزرعہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ .

''اس بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں۔''

(علل الحديث :550/1)

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ خِلافُ الْقُرْآنِ .

''یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، نیز قرآن کے بھی خلاف ہے۔''

(الكامل في ضُعفاء الرّجال : 194/9)

❁ حافظ جوزقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ، مُخَالِفٌ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ وَالْقِيَاسِ .

''یہ حدیث باطل ہے، کتاب وسنت، اجماع اور قیاس کے مخالف ہے۔''

(الأباطيل والمَناكير :498/1)

❁ علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ ضَعَّفَ الْعُلَمَاءُ هٰذَا الْحَدِيثَ .

''علمائے محدثین نے اس حدیث کوضعیف قرار دیا ہے۔''

(نَصب الرّاية :138/1)

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ أَطْبَقَ عُلَمَاءُ السَّلَفِ عَلٰى تَضْعِيفِهٖ .

''اس حدیث کے ضعیف ہونے پر علمائے سلف کا اتفاق ہے۔''

(فتح الباري :354/1)

**سوال**: عبدالرشید اور عبدالصبور نام رکھنا کیسا ہے؟

**جواب**: کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں کہ ''الرشید'' اور ''الصبور'' اللہ تعالیٰ کے نام ہیں، جن روایات میں انہیں اللہ کے ناموں میں درج کیا گیا ہے، وہ غیر ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ توقیفی ہیں، اللہ کے وہی نام رکھے جا سکتے ہیں، جو قرآن اور صحیح حدیث میں ثابت ہیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے اس کے نام نہیں رکھے جا سکتے، مثلاً اللہ تعالیٰ صفت غضب سے متصف ہے، مگر اس صفت سے اللہ کا نام ''الغاضب''، نہیں رکھا جا سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ صفت ضحک (ہنسنا) سے متصف ہے، مگر اس سے اللہ تعالیٰ کا نام ''الضاحک''، نہیں رکھا جا سکتا، علی ہذا القیاس!

بلاشبہ اللہ تعالیٰ صفت صبر اور صفت رشد سے متصف ہے، مگر اس صفت سے اللہ کا نام ''الرشید'' اور ''الصبور''، نہیں رکھا جا سکتا۔

لہٰذا عبدالرشید یا عبدالصبور نام نہیں رکھنا چاہیے۔

**سوال**: کیا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی معرفت ضروری ہے؟

(جواب): اسمائے الٰہی کے معانی سے معرفت ان پر ایمان کا لازمی جزو ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا علم اور ان کے معانی کی معرفت بندے کے دل میں اللہ کا ڈر، ہیبت، تقویٰ پیدا کرتی ہے اور اس کے دل میں ایمان بڑھ جاتا ہے۔

جو شخص یہ جان گیا کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اور اس پر بندوں کے اعمال میں سے کچھ بھی مخفی نہیں، وہ دوسرے سے زیادہ ڈرے گا، اور جو یہ جان لے گا کہ اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ اللہ سے دوسروں کی نسبت زیادہ ڈرنے اور سچا توکل وبھروسا کرنے والا ہوگا، اسی طرح دوسرے اسماء وصفات کا معاملہ ہے۔

۞ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ أَسْمَاءَ اللّٰهِ وَمَعَانِيَهَا فَآمَنَ بِهَا، كَانَ إِيمَانُهُ أَكْمَلَ مِمَّنْ لَمْ يَعْرِفْ تِلْكَ الْأَسْمَاءَ، بَلْ آمَنَ بِهَا إِيمَانًا مُّجْمَلًا، أَوْ عَرَفَ بَعْضَهَا، وَكُلَّمَا ازْدَادَ الْإِنْسَانُ مَعْرِفَةً بِأَسْمَاءِ اللّٰهِ وَصِفَاتِهٖ وَآيَاتِهٖ كَانَ إِيمَانُهُ بِهٖ أَكْمَلَ .

''جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور ان کے معانی کی معرفت رکھتے ہوئے ان پر ایمان لاتا ہے، اس کا ایمان اس شخص سے زیادہ کامل ہوگا، جو ان کی معرفت نہیں رکھتا، بلکہ مجمل طور پر ایمان لے آیا ہے، یا پھر کچھ معرفت رکھتا ہے، جوں جوں انسان اللہ تعالیٰ کے اسماء، اس کی صفات اور آیات کی معرفت میں بڑھتا جاتا ہے، اس کا اللہ پر ایمان بھی کامل ترین ہوتا جاتا ہے۔''

(مجموع الفتاوٰی: 7/233-234)

۞ شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’توحید درحقیقت اللہ ورسول کے ثابت کیے ہوئے ناموں پرایمان، ان کے اندر پوشیدہ جلیل القدر معانی ومعارف کی معرفت، ان کے ذریعے تقرب الٰہی کے حصول اوران کے وسیلہ سے دعا کرنے کا نام ہے۔ان اسماء کے معانی کا ذہن میں استحضار اور دل میں ان کی تاثیر کا ہونا ضروری ہے، مثلاً عظمت، کبریائی، بزرگی اورجلال وہیبت پر مشتمل نام دل کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم واکرام سے بھردیتے ہیں۔ جمال، نیکی، احسان اوررحمت وکرم پر مشتمل نام دل کو اللہ کی محبت، شوق اورحمد وشکر سے لبریز کر دیتے ہیں۔عزت، حکمت اورعلم و قدرت والے نام دل میں اللہ کے لیے عاجزی وانکساری پیدا کرتے ہیں۔علم، خبر، آگاہی، مشاہدہ اوراحاطہ پرمبنی نام دل میں اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا احساس اور گندے افکار وخیالات سے نفرت پیدا کرتے ہیں۔غِنیٰ اورلطف وکرم کے معانی کے حامل نام اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور ہرحال میں اسی کی طرف نظر رکھنے کا داعیہ پیدا کردیتے ہیں۔ یہ تمام فوائد اسماء وصفات الٰہی سے معرفت کی بدولت اسے نصیب ہوتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت وعنائیت ہے اور یہی توحید کی اصل روح ہے۔‘‘

(النّہج السّدید، ص 161-163، مُلخصًا)

**سوال**: کیا اللہ تعالیٰ کا نام ’’المعید‘‘ ثابت ہے؟

**جواب**: اللہ تعالیٰ کے لیے ’’المعید‘‘ (لوٹانے والا) نام ثابت نہیں۔

**سوال**: کیا اللہ تعالیٰ کا نام ’’المحصي‘‘ ثابت ہے؟

**جواب**: اسمائے حسنیٰ میں ’’المحصي‘‘ (شمار کرنے والا) ثابت نہیں۔

(سوال): مندرجہ ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي كُلِّ تَكْبِيرَةٍ وَإِذَا انْصَرَفَ سَلَّمَ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ جنازہ پڑھتے، تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے اور جب پھرتے، تو سلام پھیرتے۔''

(العِلَل للدّارقطني : 22/3، ح : 2908)

(جواب): اس حدیث کو مرفوع بیان کرنا خطا ہے، درست یہی ہے کہ یہ موقوف ہے، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر اسلاف اُمت سے ثابت ہے۔

(سوال): روایت بالمعنی کا کیا حکم ہے؟

(جواب): روایت بالمعنی کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ اہل علم میں مختلف فیہ ہے، راجح یہی ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے، بشرطیکہ معانی ومطالب میں تغیر نہ ہو۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الرِّوَايَةُ بِالْمَعْنٰى، فَالْخِلَافُ فِيهَا شَهِيرٌ، وَالْأَكْثَرُ عَلَى الْجَوَازِ أَيْضًا، وَمِنْ أَقْوٰى حُجَجِهِمُ الْإِجْمَاعُ عَلٰى جَوَازِ شَرْحِ الشَّرِيعَةِ لِلْعَجَمِ بِلِسَانِهِمْ لِلْعَارِفِ بِهٖ، فَإِذَا جَازَ الْإِبْدَالُ بِلُغَةٍ أُخْرٰى فَجَوَازُهٗ بِاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ أَوْلٰى .

''روایت بالمعنی ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔ اکثر اہل علم اسے جائز کہتے ہیں، ان کی سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ چونکہ عربیت سے واقف شخص کا عجمیوں کے لیے ان کی زبان میں شریعت کا بیان بالاجماع جائز ہے، تو جب دوسری زبان میں شریعت کا بیان جائز ہے، تو عربی زبان میں تو بالاولیٰ جائز ہے۔''

(نُزهة النّظر، ص 119)

یاد رہے کہ وحی دو طرح کی ہے، ایک قرآن کی صورت میں اور دوسری حدیث کی صورت میں۔ قرآن کے الفاظ بھی اللہ کی طرف سے ہیں اور معانی ومطالب بھی، جبکہ حدیث میں معانی ومفاہیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، جبکہ الفاظ نبی کریم ﷺ کے اپنے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ حدیث رسول میں جو احکام وسنن بیان ہوئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم کردہ ہیں، ان میں تغیر وتبدل کی گنجائش نہیں، جبکہ یہ احکام وسنن جن الفاظ میں بیان کیے گئے، وہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کیے، بلکہ وہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہیں، یوں حدیث کے الفاظ وحی الٰہی نہیں، بلکہ معانی ومفاہیم وحی الٰہی ہیں۔

اب اگر راویوں نے نبی کریم ﷺ کے بیان کردہ احکامات وسنن کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا، تو اس میں کیا غلط ہوا؟ کیا راویوں نے وحی کو تبدیل کیا؟ ہرگز نہیں، انہوں نے صرف الفاظ کو تبدیل کیا، جو کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نہیں تھے۔ پھر سب سے پہلے روایت بالمعنی نبی کریم ﷺ نے کی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اللہ کی مراد کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ وغیرہم نے بھی کیا۔ لہٰذا اگر روایت بالمعنی کی وجہ سے راویوں کو مطعون کیا جائے، تو کیا نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر حرف گیری کی جائے گی؟ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کی مراد کو اپنے الفاظ میں بیان کیا اور

راویوں نے نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ مراد کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا۔ اگر نبی کریم ﷺ کے لیے احادیث کو اپنے الفاظ میں بیان کرنا جائز نہ ہوتا اور یہ اللہ تعالیٰ یا وحی الٰہی میں خیانت ہوتی، تو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا سامنا کرنا پڑتا:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ، لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ، ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾(الحآقة : ٤٤-٤٦)

''وہ ہماری طرف کچھ جھوٹ منسوب کر دیتے، تو یقیناً ہم انہیں دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور ان کی رگ جاں کاٹ دیتے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو محفوظ رکھا، تو اس کا یہی مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا روایت بالمعنی کرنا صحیح اور درست ہوا۔ یہی معاملہ راویان حدیث کا ہے۔

جب روایت بالمعنی سے اللہ تعالیٰ کی مراد پوری ہو رہی ہے، تو اس سے وحی میں تغیر وتبدل کیسے آ گیا؟ اور راویان حدیث اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نافرمان کیسے ہو گئے؟ مثال کے طور پر کوئی شخص اپنے بیٹے سے کہے: ''جایئے اور ملازم سے کہیے کہ میرے ابو بلا رہے ہیں۔'' اب بچہ جا کر کہے کہ ''میرے والد یا بابا آپ کو بلا رہے ہیں یا یاد فرما رہے ہیں۔'' تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ بچہ اپنے والد کا نافرمان ہے، کیونکہ اس نے والد کے کہے ہوئے الفاظ بدل دیے۔ ہر کوئی یہی کہے گا کہ جب بچے نے والد کا مطلوب ومقصود پورا کر دیا ہے، تو ''میرے ابو'' کی جگہ ''میرے والد یا بابا'' کہنے سے نافرمان نہیں ٹھہرا، کیونکہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ بالکل اسی طرح راویان حدیث نے جہاں روایت بالمعنی کیا ہے، وہاں اللہ اور اس کے رسول کی مراد کو کما حقہ ادا کیا ہے۔ اگر کسی راوی نے خطا بھی کی ہے، تو علل حدیث کے ماہرین نے اس پر نقد کر کے غلطی کو واضح کر دیا۔

قرآن کریم کی سات متواتر قرأتیں بھی روایت بالمعنی کے جواز پر دلیل ہیں، کیونکہ صحابہ کرام کے عربی لہجے مختلف تھے، تو ان کے لیے ایک ہی لہجے میں تلاوت کرنا مشکل تھا، تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی سہولت کا لحاظ کرتے ہوئے قرآن کریم کو سات مختلف قرأتوں میں نازل کر دیا۔ ان قرأتوں کے بعض الفاظ میں اختلاف ہے، جبکہ ان کا معنی ومراد ایک ہی ہے، بالکل اسی طرح روایت بالمعنی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد ایک ہوتی ہے، صرف الفاظ مختلف ہوتے ہیں، لہذا روایت بالمعنی میں الفاظ کا اختلاف وحی میں تغیر وتبدل نہیں ہے۔

روایت بالمعنی کا تعلق کتابت حدیث کے دور تک ہے، تدوین حدیث کے بعد روایت بالمعنی جائز نہیں۔

یادرہے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے اور حدیث مخلوق کا کلام ہے۔ یقیناً دونوں وحی ہے، دونوں دین اور حجت ہیں، دونوں کا انکار کفر ہے، دونوں کی مخالفت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، انکار حدیث انکار قرآن کو مستلزم ہے، اس لیے دنیا میں کوئی منکر حدیث ایسا نہیں، جو قرآن کو مکمل طور پر حق مانتا ہو، منکرین حدیث حدیث پر حملہ آور ہو کر جہاں اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، وہاں قرآنی تعلیمات سے منحرف ہیں، پورے قرآن کو تاویل اور مجاز کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں، اس لیے کوئی منکر حدیث جنت وجہنم کا قائل نہیں، یہ لوگ جنت وجہنم کی اپنی تعبیر پیش کرتے ہیں، یہ اس چیز پر دلیل ہے کہ ان کا آخرت پر حقیقی ایمان نہیں۔

البتہ جو اعجازات اور امتیازات قرآن کریم کو حاصل ہیں، وہ کسی اور کلام کو نہیں، اسی لیے قرآن میں تدبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حدیث میں تدبر نہیں کرنا، بلکہ قرآن میں اس وقت تک صحیح تدبر اور غور وخوض ممکن نہیں، جب تک حدیث کو

ساتھ نہ ملایا جائے۔

جس طرح قرآن کریم کی خبریں اور پیشین گوئیاں حق اور سچ ہیں، اسی طرح حدیث کی خبریں اور پیشین گوئیاں بھی حق ہیں، کیونکہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

حدیث کے حجت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے تمام اوامر ونواہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں، ان کے حق ہونے میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں، جیسا کہ قرآن کریم کے حق ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں۔

چونکہ قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں من جانب اللہ ہیں، اس لیے کلام الٰہی میں ''اوکما قال اللہ'' نہیں کہا جاتا، جبکہ حدیث کے مفاہیم تو من جانب اللہ ہیں، مگر الفاظ نہیں، اس لیے حدیث کے بعد ''اوکما قال'' کہا جاسکتا ہے۔

یہ بھی ذہن نشین کرنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے ہر قول وفعل کے وحی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دین کے معاملہ میں آپ کا ہر قول وفعل وحی ہے، اس کا ترک جائز نہیں۔

(سوال): عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): عقیدہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے۔ اس کے اقرار کے بغیر ایمان نہیں، قرآن، احادیث متواترہ اور امت کا اجماع اس پر دلیل ہیں۔

❁ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''سونے سے پہلے نماز کی طرح وضو کریں، بستر پر دائیں پہلو لیٹیں اور یہ دعا پڑھیں:

اللّٰهُمَّ إِنِّي اَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِي إِلَيْكَ، وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا

مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي اَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي اَرْسَلْتَ .

''اللہ! خود کو تیرا تابع فرماں کرتا ہوں، معاملات تیرے سپرد کرتا ہوں، تیرے خوف سے اور تیری رحمت کی امید لئے تیرے در پہ جھکتا ہوں کہ تو ہی پناہ اور نجات کی جا ہے۔ تیری نازل کردہ کتاب اور تیرے مبعوث پیغمبر پر ایمان لاتا ہوں۔''

فرمایا: سونے سے قبل آخری کلام یہ ہو، پھر اگر اس رات فوت ہو گئے ہو، تو فطرت اسلام پہ ہو گے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ دعا اچھی طرح یاد کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی اور «بِنَبِيِّكَ» کی جگہ یہ الفاظ پڑھے:

آمَنْتُ بِرَسُولِكَ الَّذِي اَرْسَلْتَ .

''تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لاتا ہوں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پڑھیں:

آمَنْتُ بِنَبِيِّكَ الَّذِي اَرْسَلْتَ .

''تیرے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لاتا ہوں۔''

(صحيح البخاري : 6313-6315، صحيح مسلم : 2710)

اس حدیث میں اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، وہ اس طرح کہ اس حدیث میں قرآن کریم کی تصدیق کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنے کا اقرار کیا گیا ہے، جس طرح قرآن کریم آخری کتاب ہے، اس طرح محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخری نبی ہیں، اگر کوئی نبی آنا ہوتا، تو اس پر ایمان لانا واجب ہوتا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی پر ایمان لانا واجب ہی نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی بھی مبعوث نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم ﷺ نے ''رسول'' کے بجائے ''نبی'' کا لفظ پڑھنے کا فرمایا، کیونکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے، ہر نبی رسول نہیں ہوتا، نیز رسول میں فرشتے بھی داخل ہیں، اگر ''نبی'' کے بجائے ''رسول'' ہوتا، تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ محمد کریم ﷺ کے بعد رسول نہیں آ سکتا، مگر نبی تو آ سکتا ہے، لیکن جب ''نبی'' کہہ دیا، تو محمد ﷺ کے بعد ''نبوت ورسالت'' دونوں کی نفی ہو گئی، اس لیے نبی کریم ﷺ نے ''نبی'' کا لفظ پڑھایا، تا کہ کوئی نبی ہونے کا بھی دعویٰ نہ کر سکے، چہ جائیکہ رسول ہونے کا دعویٰ کرے۔

**سوال**: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا وَفِي سُرَّتِهٖ مِنْ تُرْبَتِهِ الَّتِي تَوَلَّدَ مِنْهَا، فَإِذَا رُدَّ إِلٰى أَرْذَلِ عُمُرِهٖ، رُدَّ إِلٰى تُرْبَتِهِ الَّتِي خُلِقَ مِنْهَا حَتّٰى يُدْفَنَ فِيهَا، وَإِنِّي وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَّاحِدَةٍ وَفِيهَا نُدْفَنُ.

''جو بچہ پیدا ہوتا ہے، اس کے ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے، جس سے وہ پیدا ہوا ہے، جب وہ بڑھاپے میں پہنچتا ہے، تو وہ اسی مٹی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، جس سے اس کی تخلیق ہوئی تھی، یہاں تک کہ اسے اسی مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ بے شک مجھے، ابوبکر اور عمر کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور ہم اسی میں دفن ہوں گے۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : 313/2)

**جواب**: سند باطل ہے۔

① موسیٰ بن سہل بن ہارون رازی کی توثیق نہیں۔

② محمد بن عبدالرحمٰن بغدادی کی توثیق نہیں ملی۔

③،④ سفیان ثوری اور ابواسحاق سبیعی کا عنعنہ ہے۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''باطل'' کہا ہے۔

(میزان الاعتدال : 206/4)

تنبیہ:

اس معنی کی حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا انس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی مروی ہے، لیکن ان میں سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔

(سوال): درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سِتَّةٌ لَّعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ كَانَ : الزَّائِدُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوتِ لِيُعِزَّ بِذٰلِكَ مَنْ أَذَلَّ اللّٰهُ، وَيُذِلَّ مَنْ أَعَزَّ اللّٰهُ، وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُرُمِ اللّٰهِ، وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِي مَا حَرَّمَ اللّٰهُ، وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي .

''چھ قسم کے لوگوں پر میں لعنت کرتا ہوں، اللہ بھی ان پر لعنت کرے۔ (یاد رہے کہ) ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے؛ ① کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا ② تقدیر کو جھٹلانے والا ③ ظلم و جبر سے مستلط ہونے والا (حکمران)، تا کہ اللہ کے ذلیل کردہ لوگوں کو معزز بنا دے اور اللہ کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دے ④ اللہ کے حرام کردہ اُمور کو حلال کرنے والا ⑤ میری آل کے حق میں وہ کچھ حلال کرنے والا، جسے اللہ تعالیٰ نے (ان کے حق میں) حرام کیا ہے ⑥

میری سنت کوترک کرنے والا۔‘‘

(سنن التّرمذي : 2154، المستدرك للحاكم : 525/2)

**(جواب)**: روایت ضعیف ہے۔ اس حدیث کو متصل بیان کرنا خطا ہے، اس کا مرسل ہونا ہی صحیح ہے، یہ علی بن حسین کی مرسل ہے۔

امام ترمذی اور امام ابوزرعہ رحمہما اللہ نے اس کے مرسل ہونے کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 7/5)

❁ اس معنی کی ایک حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(العِلَل المُتناهية لابن الجَوزي :143/1)

جھوٹی روایت ہے۔ حصین بن مخارق ’’وضاع‘‘ (جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) ہے۔

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غیر ثابت قرار دیا ہے۔

**(سوال)**: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلِيٌّ عَيْبَةُ عِلْمِي .

’’علی میرے علم کے راز دان ہیں۔‘‘

(الكامل لابن عدي : 161/5)

**(جواب)**: باطل روایت ہے۔

① ضراد بن صرد ’’متروک‘‘ ہے۔

② اعمش کا عنعنہ ہے۔

③ یحییٰ بن عیسیٰ رملی متکلم فیہ ہے۔

**(سوال)**: اس روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَفْضُلُ الصَّلَاةِ بِالسِّوَاكِ عَلَى الصَّلَاةِ بِغَيْرِ السِّوَاكِ سَبْعِينَ ضِعْفًا .

''مسواک کر کے نماز پڑھنا، بغیر مسواک کیے نماز پڑھنے سے ستر درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 282/6، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 38/1)

(جواب): سند ضعیف ہے۔

① زہری مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

② اس حدیث میں محمد بن اسحاق نے تدلیس کی ہے۔

(صحيح ابن خزيمة، تحت الحديث : 137، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 38/1)

السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۶۱) والی سند بھی ضعیف ہے۔

① فرج بن فضالہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

❀ حافظ ابن مفلح مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُ .

''اسے اکثر اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(أصول الفقه : 1479/4)

❀ علامہ زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُونَ .

''اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(البحر المُحيط في أصول الفقه : 261/9)

۞ علامہ ابن امیر حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُونَ.

''اسے اکثر نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(التّقرير والتّحبير : 307/3)

② حماد بن قیراط ضعیف ہے۔

۞ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ غَيْرُ قَوِيٍّ.

''یہ سند قوی نہیں۔''

(السّنن الكبرىٰ، تحت الحديث : 161)

(سوال): پاؤں پر مسح کے متعلق روایات کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

(جواب): پاؤں پر مسح کے متعلق مروی روایات ضعیف و غیر ثابت ہیں۔

۞ سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلٰى نَعْلَيْهِ وَقَدَمَيْهِ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں اور پاؤں پر مسح کیا۔''

(مسند الإمام أحمد : 8/4، مختصرًا، سنن أبي داود : 160، المعجم الكبير للطّبراني :192/1)

سند ضعیف ہے۔ ہشیم بن بشیر واسطی مدلس ہیں۔

۞ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَسْمَعْ هُشَيْمٌ هٰذَا مِنْ يَعْلٰى .

''ہشیم نے یہ حدیث یعلی بن عطاء سے نہیں سنی۔''

(التّحقيق لابن الجوزي :271/1)

❀ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو میں پاؤں پر مسح کرتے دیکھا۔

(العِلَل المُتناهية لابن الجَوزي :349/1)

سند باطل ہے۔

① عبدالرحمٰن بن مالک بن مغول ''متروک ومتہم'' ہے۔

② یزید بن ابی زیاد ''ضعیف، مختلط ومدلس'' ہے۔

❀ حافظ جوزقانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''منکر'' کہا ہے۔

(الأباطيل والمَناكير :74/1)

❀ سیدنا عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْقَدَمَيْنِ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور پاؤں پر مسح کیا۔''

(العِلَل المُتناهية لابن الجَوزي :350/1)

سند ضعیف ہے۔ عبداللہ بن لہیعہ ''ضعیف، مختلط ومدلس'' ہے۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ مَا يَصِحُّ .

''ان احادیث میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔''

(العِلَل المُتناهية :350/1)

(سوال): کیا بیت الخلا سے نکلنے کی یہ دعا ثابت ہے؟

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذٰى وَعَافَانِي .

(سنن ابن ماجه :301)

(جواب): بیت الخلا سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھنا ثابت نہیں۔ اس بارے میں مروی مرفوع وموقوف تمام روایات ضعیف وغیر ثابت ہیں۔

(سوال): غسل جنابت سے پہلے وضو کا کیا حکم ہے؟

(جواب): غسل جنابت سے پہلے وضو کرنا بالا جماع مستحب ہے۔

❀ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا إِجْمَاعٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ، لَا خِلَافَ بَيْنَهُمْ فِيهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، إِلَّا أَنَّهُمْ مُّجْمِعُونَ أَيْضًا عَلَى اسْتِحْبَابِ الْوُضُوءِ قَبْلَ الْغُسْلِ .

''بلا اختلاف اس بات پر علما کا اجماع ہے، الحمد للہ! وہ اس بات پر متفق ہیں کہ غسل سے پہلے وضو مستحب ہے۔'' (الاستذکار :327/1)

اس بارے میں درجِ ذیل کتب کا مطالعہ بھی مفید ہے۔

(التمهيد لابن عبدالبر : 93/22، المحلى لابن حزم : 275/1، شرح صحيح البخاري لابن بطّال :368/1، شرح صحيح البخاري لقِوام السنة الأصبهاني : 257/2، المَجموع للنووي : 285/2، فتح الباري لابن حجر : 260/1، عارضة الأحوذي لابن العربي :162/1، إكمال المعلم للقاضي عياض : 94/10، عمدة القاري للعيني : 206/3)

البتہ کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا ضروری ہے، کیونکہ منہ اور ناک چہرے میں داخل ہیں۔